ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

وسعتِ نظر کا حامل شاعر: عرفان صادق

A poet with wide vision: Irfan Sadiq

ثمینہ نورین[i] حسنین احمد[ii]

Abstract:

Poetry is a form of literary art in which language is used for its aesthetic and evocative qualities in addition to its apparent meaning. Poetry may be written in conjunction with other arts, as in poetic drama, hymns, lyrics or prose poetry. Aristotle defines poetry as an art that imitates; imitation is one instinct of our nature and "the objects of imitation are men in action". He considers comedy as an imitation of characters of a lower type. and tragedy as an imitation of an action that is serious, complete and of a certain magnitude. Poetry is a medium to express our feelings and involvement with our relationships. Poetry is a pure shade of the personality of a poet. This perspective has been applied to Irfan Sadiq's poetry in this article.

Keywords: *Urdu Poetry, Wide View, Nature, Ghazal, Irfan Sadiq, Hafiz Abad, Lahore.*

شاعری ادبی فن کی ایک شکل ہے جس میں زبان کو اس کے ظاہری معنی کے علاوہ اس کی جمالیاتی اور جذباتی خصوصیات کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔ شاعری دوسرے فنون کے ساتھ مل کر لکھی جا سکتی ہے ، جیسا کہ منظوم ڈراما ، حمد ، نظم یا نثری شاعری میں ۔ ارسطو شاعری کی تعریف ایک ایسے فن کے طور پر کرتا ہے جو نقل پر منطبق ہے: تقلید فطری جبلت ہے اور "تقلید کی اشیاء عمل میں مردانہ ہیں"۔ وہ طربیہ کو نچلی قسم کے کرداروں کی تقلید اور المیہ کو کسی ایسے عمل کی تقلید کے طور پر سمجھتا ہے جو سنجیدہ ، مکمل اور ایک خاص دائرے تک ہو۔ شاعری اپنے جذبات اور اپنے رشتوں کے ساتھ وابستگی کے اظہار کا ذریعہ ہے ۔ شاعری شاعر کی شخصیت کا خالص سایہ ہے ۔ یہی تناظر اس مقالے میں عرفان صادق کی شاعری پر اطلاق کیا گیا ہے ۔

کلیدی الفاظ: اُردو شاعری ، وسعتِ نظر ، فطرت ، غزل ، عرفان صادق ، حافظ آباد ، لاہور ۔

شاعری سحر طرازی ہے یا پھر جادو ٹونہ۔۔۔کہنے اور سننے والا ایک مست کیفیت میں رہتا ہے۔ عجز کی حالت میں اپنا حال دل بیان کرتا اور کبھی ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا شاعر تو افلاطون جیسے جری اور دلیر آدمی کو خطرے کا احساس دلا گیا کہ ایک طرف وہ کہتا ہے شاعر معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کی طاقت رکھتا ہے اسے شہر سے دور بھیج دو تو دوسری طرف وہ شاعری کو الہامی کلام قرار دیتا ہے۔ ادب کی بات کی جائے تو شاعری اس کا اہم جزو کہی جا سکتی ہے۔ وہ اہم جزو جو ترسیلِ ادب میں سب سے زیادہ نمایاں مقام رکھتا ہے۔ ادب کیا ہے اس حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب ولی سے اقبال تک میں لکھا ہے:

> میتھیو آرنلڈ کے نزدیک وہ تمام علم جو کتب کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے ادب کہلاتا ہے۔[1]

میتھیو آرنلڈ تمام علم کو ادب قرار دیا ہے۔ یہ نہایت اہم بات ہے کہ ادب در حقیقت علم ہی ہے۔ اور آرنلڈ لکھتے ہیں کہ یہ علم کتابوں کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے۔ اب ہم اس بحث سے در کنار کہ علم کی کیا

[i] گورنمنٹ وکٹوریا گرلز ہائیر سکینڈری سکول لاہور (Corresponding Author)

[ii] ایم ۔ فل اسکالر ، شعبہ اردو ، فارمن کرسچن کالج (اے چارٹرڈ یونیورسٹی) لاہور۔

اقسام اور اُن کی کیا معاشرتی اہمیت ہے اس بات تک محدود رہتے ہیں کہ ادب وہ علم ہے جو کتابوں کی صورت ہم تک پہنچتا ہے۔ اگر یہاں معیاری کتب کے ذریعے پہنچنے والا علم کہہ دیا جائے تو بات زیادہ موزوں ہو جائے گی۔ کیوں کہ معیاری علم ہی انسان کو حقیقت میں معاشرے کا بہترین فرد بننے کا قرینہ اور ادب سکھاتا ہے۔ احساسات اور کیفیات کو قافیے اور ردیف کی بندشوں میں بیان کرنا کسی الہام سے کم نہیں۔ اوزان کے سانچے میں ڈھلی شکل میں آمد ہونا اور شعر شعر جڑ کر غزل بن جانا ایک عنایت اور ودیعت ہی ہے۔ شاعر فطری طور پر شاعر ہوتا ہے۔اصناف سخن اور شعری ہئیتیں میں شمیم احمد شمیم لکھتے ہیں:

> صنف اور ہیئت کی علاحدہ علاحدہ شناخت کے مسئلے پر کسی بہت منطقی، مفکرانہ یا فلسفیانہ موشگافیوں اور تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ مختصر یہ کہ ہر شعری ہیئت ایک قابلِ شناخت ظاہری شکل ضرور رکھتی ہے۔[۲]

مندرجہ بالا اقتباس میں صنف اور ہیئت کی بات کی گئی ہے۔ ادب کی ایک اہم قسم شاعری ہے اور شاعری کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ شمیم احمد شمیم ہر شعری ہیئت کو ایک شناخت قرار دیتے ہیں۔ جس طرح ہر شعری ہیئت اپنی ایک شناخت رکھتی ہے اسی طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر شناخت اپنے تخلیق کار کی نمائندہ ہوتی ہے۔ عرفان صادق کی شاعری بھی ان کی شخصیت اور ذات کی نمائندہ ہے۔ جب روشنی دریچوں سے جھانکتی، سسکتی ہمکتی اپنا آپ منوا رہی تھی، رات گزر رہی تھی لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور ناراض بیٹھی تھی۔ زانو کے گرد بازو لپیٹے اترا رہی تھی کہ اب آنکھ میں کسی صورت نہیں اتروں گی۔ تب ہی رتجگوں کی بارش نے شاعر کا تن من بھگو دیا وہ مسکرایا اور چکنی مٹی کی سوندھی دیوار کے ساتھ لگ کر کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنے لگا تو کتاب رتجگوں کی بارش تخلیق ہوتی گئی۔ عرفان صادق کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی یہ تصنیف شاعر کی وسعتِ نظر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شاعر کی حساسیت اس کے جاندار مشاہدے کو ظاہر کرتی ہے۔ اپنی اسی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے عرفان لکھتے ہیں کہ:

مری آنکھوں کی یہ حیرانی گواہی دے گی
خواب دفنائے ہیں لفظوں میں ریاضت نہیں کی [۳]

عرفان صادق کے اس شعر کو اگر جزئیات کے تحت پرکھتے ہوئے فکری انداز میں دیکھیں تو حیرانی کے حقیقی معنی سمجھ آئیں گے۔ حیرانی دراصل وہ تجسّس کی کیفیت ہے جو ایک شاعر کی نگاہ کو مشاہدے کا فن

بخشتی ہے۔ وہ اسی حیرانی کے تحت ظاہری اسباب کی تہہ میں پوشیدہ اُن کیفیات کی منظر کشی کرتا ہے جو عام آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ لفظوں میں خوابوں کا دفنانا دراصل خوابوں کا مردہ ہونا نہیں ہے، بلکہ اس ریاضت کی جانب اشارہ ہے جس میں شاعر نے جستجو کرتے ہوئے کوئی خواب کشید کیا۔ اب اسی خواب کو اپنے الفاظ کا لبادہ دیتے ہوئے شعری ہیئت میں ڈھال دیا۔ شاعر مُڑ کر نہیں دیکھتا بلکہ نئے خوابوں کی تلاش میں مشاہدے کے نئے سفر پر چل نکلتا ہے۔ یہی سفر ہے جس کی منازل طے کرتے ہوئے عرفان صادق نے بے ساختہ شعر کہے نظمیں تخلیق کیں۔ اس کا تخیل محوِ پرواز رہا۔ کبھی چاند منڈیر پر اتر آیا اور چاند کی شال میں لپٹے وعدے کتابی صورت میں ودیعت ہوئے۔ اب وہ وعدوں کا پاسباں بنا مضطرب روح کے ساتھ دریا کنارے چلتا رہتا اور لکھتا رہتا تھا۔ گاؤں کا ایک سادا سا لڑکا تخیلات کے بہاؤ میں بہت دور نکل آیا اتنی دور کہ واپسی ناممکن ہو گئی۔ اس کی روح تخیل کے گھوڑے پہ نگر نگر گھومنے لگی۔ زندگی کی تنگ و تاریک گلیوں سے روشنیوں کے شہر میں آ نکلا۔ کوئی بازگشت تھی:

کہیں جھٹکا ہے اس نے اپنا آنچل
مرے گھر میں ستارے گر پڑے ہیں[۴]

عرفان صادق کا شعر بھی اُن کے مشاہدے کی گہرائی کا مظہر ہے۔ آنچل کے جھٹکنے سے گھر میں چاند ستاروں کا گِر جانا، ایک دلکش منظر کی عکاسی کرتا ہے۔ محبوب کے آنچل سے وابستہ فطری روشنیوں کے مصادر کو نہایت خوب صورتی سے شعری صورت میں پرو دیا ہے۔ رہِ حیات پہ کامیابی کی پری بازو وا کیے شاعر کو پناہوں میں لے لیتی ہے پھر وہ مٹی کو سونا کرنے کے ہنر سے روشناس ہو جاتا ہے۔ غمِ دوراں ہو یا غمِ جاناں وہ غم نہیں بناتا انھیں رقم کر کے شعر کہتا ہے۔ محنت اور محبت سے الجھنیں سلجھاتا اور راستے بناتا جاتا ہے۔ پیشے کے طور پر صحافت کو اپنانا بھی وسعتِ نظری کا باعث ثابت ہوا۔ سوچ کا کینوس وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ یوں شاعر نگر نگر لفظوں کے موتی لیے محبتیں نچھاور کرتا چھتنار درخت بن جاتا ہے۔ جو دوسروں کو اپنی چھاؤں کا سکھ دیتا ہے۔ لاہور جیسے شہر نے اس حافظ آباد سے آنے والے نوجوان کے لیے راستے ہموار کر دیے۔ رویوں کے بھید آشکار کر دیے۔

عرفان صادق نے ادب پرور حلقوں میں پہچان بناتے ہوئے ایک ادبی تنظیم "سیوا" کی بنیاد ڈالی اور اس تنظیم کے زیرِ انتظام کتب شائع کرنے اور تقریبات کروا کے ادب کی ترویج کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا۔

یوں تیسرا شعری مجموعہ میں آنکھیں بھول آیا ہوں منظر عام پر آیا اور داد و تحسین سمیٹنے لگا۔ ہر بات کہہ دینے کی آسودگی اور دل میں خالص محبت لیے صحرا صحرا بھٹکتا یہ شاعر پاؤں کے چھالوں کو خاطر میں لائے بغیر شعری سفر پر گامزن رہا اور ان کا تخیل ملک کی حدود سے باہر نکل گیا۔ یہی شعر گوئی عرفان صادق کے لیے شہرت اور عزت کا موجب بنی اور انھوں نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ جہاں انھیں دنیا کو شعر سنانے کے ساتھ ساتھ ایک نئی نظر سے دیکھنے کا موقع میسر آیا بات کہنے کے سلیقے اور سہولت سے واقفیت، اظہار کے تمام تر طریقوں سے آشنا وہ لفظ لفظ موتی بکھیرنے کا ہنر ہمیں اُن کے کلام میں اسی لیے زیادہ دکھائی دیتا ہے کہ انھیں مشاہدے کے بہت سے مواقع میسر آئے۔ غزل کے ہنر سے شناسا، نظم میں جذبے پروتا، اوزان کی باریکیوں سے گزرتا، مہارتوں پر عبور پاتا وہ کیفیات کو کتابوں میں سجاتا گاؤں کی کچی پگڈنڈیوں سے شہر کے پُر پیچ راستوں پہ متوازن چلتا ہوا شاعر ہمیں عرفان کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے:

قدم قدم پہ ستارے بچھانے والا ہوں
میں آسماں کو زمیں سے ملانے والا ہوں[۵]

مذکورہ شعر عرفان صادق کے جذبات کی آہنگی کا نمائندہ ہے۔ زمین و آسمان کو اپنی نگاہِ وسعت سے زیر کرتے ہوئے اس کے رازوں کو اشعار کی صورت بیان کرنا عرفان صادق کے کمالِ فن کا ثبوت ہے۔ عرفان صادق کا مشن بھی اسی شعر کے مصرعِ اولیٰ میں دکھائی دیتا ہے۔ وہ قدم قدم پر ستارے بچھانے کی بات کرتے ہیں۔ ستاروں کا قدموں سے ایک خاص رشتہ ہے۔ سفر کے دوران مسافر ستاروں ہی کی مدد سے سمتوں کا تعین کرتے ہوئے راستے تلاش کرتے تھے۔ قدموں کا تعلق مسافت سے ہے۔ انسان اپنے قدموں کے سہارے ہی سفر طے کرتا ہے۔ انسانی مسافت کو ہر قدم پر ستاروں کی روشنی سے رہنمائی کرنا عرفان صادق کی شاعری کا وہ مشن ہے جو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ اور راستوں سے آگہی وہی دے سکتا جو خود بینا ہو اور وسعتِ نظر کا حامل ہو۔ عرفان صادق کی وسعتِ نظر کی نمائندگی کرتی اُن کی چوتھی کتاب یہی لمحہ محبت ہے کے نام سے منظرِ عام پر آئی:۔

کِھلتی رہتی ہے یہ دل کی کلی نوخیز مٹی سے — یہ خوشبوئیں سی اٹھتی ہیں جو دل آویز مٹی سے
ہماری آنکھ میں بچپن سے دیکھو خواب روشن ہیں — ہمارا رابطہ بچپن سے ہے زرخیز مٹی سے[۶]

عرفان صادق کی کتاب یہی لمحہ محبت ہے سے ماخوذ مندرجہ بالا اشعار عرفان کی نگاہِ بصیرت

کے محرکات کو بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ خیال کا نزول دل پر ہوتا ہے۔ عرفان کہتے ہیں کہ میرے دل پر جو خیال اترتا ہے اس سے خوشبوؤں کی کلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ دراصل یہ کلیاں عرفان کے اشعار ہیں۔ جن کی خوشبو سے چمنستانِ شاعری مہکا دکھائی دیتا ہے۔ عرفان کی اپنی ایک منفرد دنیا ہے۔ کلی کو جب دل کی زرخیز مٹی نصیب ہو جائے تو اُس سے خوشبوؤں بھرے اشعار جنم لیتے ہیں۔ عرفان لکھتے ہیں کہ بچپن ہی سے آنکھوں میں خوابوں کی ایک دنیا روشن ہے۔ یہی روشنی جستجو کی روشنی ہے جو جذبے کو زندہ رکھتی ہے اور امید کا دامن چھوڑتی دکھائی نہیں دیتی۔ یہی امید حوصلہ و ہمت عطا کرتی ہے اور عرفان صادق اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے لکھتے ہیں:

نہ فصلیں جھوٹ کی مجھ سے اُگیں گی
فقط اک قریہ صِدق و وفا ہوں[۷]

زمانے کی روش پر نہیں چلتے بلکہ جھوٹ کی اس چلتی ہوا کے خلاف اپنا ایک نظریہ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ میں سچائی اور وفاداری کا دامن تھامے حق کے ساتھ رہوں گا۔ جھوٹ کی فصلیں بہت اہم بات ہے جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے۔ جب کوئی بیج زمین میں کاشت کیا جاتا ہے تو اُس سے لاتعداد بیج جنم لیتے ہیں۔ اور پھر اس کی فصلیں زمین پر پھیل جاتی ہیں۔ عرفان بھی یہاں جھوٹ کی فصلوں کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ کیوں کہ اگر جھوٹ کو زمین پر پھیلا دیا جائے تو اُس کا اثر جلدی ختم نہیں ہوتا۔ عرفان کا موقف ہی اُن کی شاعری ایک وسعت عطا کرتا ہے۔ شعر کے اس قدر آہنگ تک پہنچ جانے کے بعد اسلوب کی پختگی میں رتی بھر شائبہ نہ رہا اور اب عرفان کو دوست اور مخالفین سب سراہنے لگے۔ عرفان صادق کا ادبی سفر جمود کا شکار ہوا نہ لہجہ یکسانیت سے ٹھٹھرا۔ ارتقاء کی طرف بڑھتے، نئے زمانے کے تقاضوں سے نپٹتے ہوئے شعر کو نئے نئے رنگ عطا کرتے ہوئے عرفان صادق کا سفر جاری رہا۔ پنجابی چوں کہ عرفان صادق کی ماں بولی ہے تو وہ پنجابی کے سارے چھل کپٹ شعروں میں ڈھالنے کے ہنر آزمانے لگا۔ مادری زبان میں رہتل اپنے روایتی چولے پہنے جلوہ گر ہے اور پہلا پنجابی شعری مجموعہ لوں لوں اچ اڈیک کے نام سے سامنے آیا۔ بعد ازاں دوسرے پنجابی مجموعے چننگاں کی تخلیق عمل میں آئی تو بہ طور پنجابی شاعر بھی عرفان صادق کو شعری حلقوں میں بھی مقبولیت ملنے لگی۔ عرفان صادق زود گو شاعر ہے لیکن روایتوں اور جدتوں کو ساتھ لے کے چل رہا ہے۔ نئی اور مشکل ردیفیں، اساتذہ کے لب و لہجے اپناتے ہوئے شعر در شعر کہنے کا ہنر

عرفان کی شاعری میں دیکھا جاسکتا ہے۔ عرفان صادق کی شاعری کے بغور مشاہدے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی شاعری کسی ارادی جوڑ توڑ نہیں ہیں؛الہام کی عطا ہے:

حیرت ہے کہ اک تجھ کو سنائی نہیں دیتے — نغمے تو بکھرتے ہیں کئی، سانس کی دَف سے ۸

کرتا ہے گفت گو تو بکھرتی ہے روشنی — آنکھیں ہیں اس کی شمع تو ہیں اس کے لب چراغ ۹

عرفان صادق کے مندرجہ بالا اشعار میں اُن کا مشاہدہ بہت کھل کر سامنے آتا ہے۔ سانس کی دَف کی اصطلاح بہت منفرد انداز میں استعمال کی گئی ہے۔ سانس کی رفتار و تسلسل پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک خاص ربطِ مسلسل ہے جو اسے موسیقی کا خاص حسن عطا کرتا ہے۔ عرفان صادق جیسا حساس شاعر ہی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ محبوب کی تعریف میں اُن کا رنگ کلاسیکی طرز میں نمایاں ہوتا ہے۔ وہ محبوب کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے عموماً وہی استعارے اور تشبیہات استعمال کرتے ہیں جو کلاسیکی ادب سے روایت کی صورت چلے آ رہی ہیں، لیکن ہونٹوں کو چراغ کہہ دینا ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس سے دو معنی نکلتے ہیں ایک تو یہ کہ محبوب کے ہونٹ چراغ کے شوخ شعلے کی مانند دکھائی دیتے ہیں دوسرا یہ کہ عرفان کے محبوب کے ہونٹوں سے بصورت تکلم ادا ہونے والوں لفظوں کو چراغِ راہ سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا پیغام جو سننے والے کو رستہ دکھائے۔ یہ ایک منفرد انداز ہے جو عرفان صادق کی شاعری میں جا بجا دکھائی دیتا ہے۔

عرفان صادق کی شاعری کو پڑھ کر یوں گمان ہوتا ہے کہ وہ لمحے کی گرفت اور احساس کی شدتوں کے لیے منتخب ہوا ہے۔ اسی شدت اور احساس کا اگلا پڑاؤ ابد آباد کی صورت سامنے آتا ہے۔ یہ کتاب گذشتہ تمام شاعری میں سے انتخاب ہے۔ ہم عصروں اور جید شعراء کرام کے تفصیلی مضامین کے ساتھ یہ کتاب وجود پذیر ہوئی۔ غزل میں اس کا مقام فطرت نے متعین کر ڈالا ہے۔ روشنی، جگنو، چراغ، خواب، پرندے اور شجر کی زبان بولتی ہوئی شاعری ہمیں عرفان کی شاعری میں ملتی ہے۔ وہ سورج کے شانے جھنجوڑنے کا عزم رکھتا ہے۔ اسی لیے سورج خود اسے اپنی روشنی مستعار دیتا ہے کہ جاؤ زمان و مکان کو کھوج ڈالو کہ یہی مقصد تھا انسان کے وجود کی تخلیق کا۔ انسان منفرد ہی اسی وجہ سے ہے کہ بات کرے، لفظوں کو تراشے، سنوارے، کیفیات کی رو میں بہے اور حالِ دل کہے۔ یہ تمام تر ہنر عرفان صادق کو حاصل ہے اور وہ حال دل شعروں کے سانچے میں ڈھالتا جاتا ہے۔ اور کیا خوب ڈھالتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

عجیب ہوتی ہیں سرشاریاں محبت کی — کسی کی آنکھ میں ڈوبے تو اعتبار آیا ۱۰

زمیں پہ رہتے ہوئے آسماں کا حصہ ہیں　　　ہمیں تو لگتا ہے آئندگاں کا حصہ ہیں "

کیفیات کو عرفان صادق جس طرح شعر کا پیراہن پہناتے ہیں اُس سے نا صرف اُن کے مشاہدے کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی فنی پختگی کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔ شعری کرافٹ میں عرفان کا بہت کمال حاصل ہے۔ وہ خیال کو اس خوب صورتی سے بُنتے ہیں کہ شعر کے تمام تر فنی پہلو نکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کسی کی آنکھ میں ڈوب جانا بہت خوب صورت استعارہ ہے۔ آنکھوں میں ڈوب جانا، ایک ایسی اصطلاح ہے جسے شاعروں نے استعمال کیا ہے اور اسی کو عرفان بیان کرتے ہوئے اس کے لطف کی سرشاری کو خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔ دوسرا شعر بھی اسی طرح سادگی و سلاست کا بہترین نمونہ ہے۔ زمین پر رہتے ہوئے آسمان کا حصہ ہونا دراصل اُس بلند خیالی کی جانب اشارہ ہے جو عرفان کے اشعار میں بیاں ہے۔ مستقبل کا حصہ ہونا بھی اُن کے اشعار میں کی جانے والی وہ باتیں ہیں جو انھیں زندہ رکھیں گی۔ محبت عرفان صادق کا خاص اور پسندیدہ موضوع ہے۔ لیکن ان کی نظر پورے منظر نامے پر ہے۔ سیاست اور ریاست کے معاملات ہوں یا ظلم و جبر کی گھٹن زدہ فضا ہو۔ یہ شاعر خاموش نہیں رہتا۔ ایسے لگتا ہے وہ مصلحت سے زیادہ مزاحمت کو پسند کرتے ہیں:۔

پھرتی ہے اک شناسا سی خوشبو یہیں کہیں　　　لگتا ہے جیسے آج بھی ہے تو یہیں کہیں
آنے لگی ہے ہُو کی صدا جسم سے مرے　　　لگتا ہے جیسے پاس ہیں یا ہو یہیں کہیں ۱۲

محبت بھرے لہجے میں نرم گوئی سے اشعار کہنے والے شاعر کے ہاں مزاحمتی لہجہ بھی اس قدر شدید ہو سکتا ہے یہ عرفان صادق کے مزاحمتی اشعار کو پڑھ کر معلوم ہو جاتا ہے۔ سماج کے ظالم رویوں اور جابر طاقتوں کے خلاف عرفان صادق نے بہت کھل کر لکھا ہے۔ کچھ مزاحمت کے جذبے سے بھرپور اشعار بھی دیکھیں جو مزدور اور مظلوم کی آواز ہیں۔ وہ قلم کی ذمہ داری بخوبی نبھاتے ہیں۔ جو بات بنتی ہے وہ کہہ دینے میں غفلت نہیں کرتے:

جھلس رہی ہے مسلسل قبا پرندوں کی　　　قبول کس گھڑی ہو گی دعا پرندوں کی
سبھی کو شوق ہے بارود سے بہلنے کا　　　سنے گا کون یہاں التجا پرندوں کی ۱۳
بتا رہی ہیں چراغوں کی آخری سانسیں　　　شب سیاہ سے سورج نکلنے والا ہے ۱۴
تمھارے حکم پہ سر اپنا خم کیے جائیں　　　ہم اپنے بازو کہاں تک قلم کیے جائیں ۱۵
ہمارا المیہ یہ ہے زباں کھولی نہ ہم نے　　　ہمارے بچوں نے بھگتے ہیں خمیازے ہمارے ۱۶

ضبط کی دیوار لگتا ہے ابھی گرنے کو ہے　　　کچھ چھلکتی مری آنکھیں کچھ چھلکتی شام ہے [۱۷]

یہ دبنگ اور توانا لہجہ ہمیں اردو ادب میں بہت کم شعراء کے ہاں ملتا ہے۔ عام طور پر شاعری میں مصلحت کوشی ہی اختیار کی جاتی ہے۔ عرفان صادق نہ صرف جبر کو للکارتے دکھائی دیتے ہیں بلکہ ساتھ ہی نئے سورج کے طلوع ہونے کی نوید بھی سناتے ہیں۔ سیاہ شام اور اس کے حامیوں کو یہ دعوت بھی دکھائی دیتے ہیں کہ اپنا قبلہ درست کر لیں ورنہ صبر کا پیمانہ چھلک جانے پر اُن کے لیے کوئی جائے امان نہ ہو گی۔ عوام میں ایک انقلابی جذبہ بیدار کرنے کی کوشش بھی عرفان صادق اپنی شاعری کے ذریعے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ مزید اشعار اس حوالے سے پیشِ ذیل ہیں:

مصلحت کوشو کوئی صبر کی حد ہوتی ہے　　　ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے [۱۸]

ہوا کی شہ رگیں کاٹیں گے ایک دن عرفان　　　چراغ ہم نے جلائے ہیں جو فصیلوں پر [۱۹]

آنگن سے اُس نے کاٹ کے برگد کے پیڑ کو　　　چڑیوں کی ایک لمحے میں چہکار بیچ دی

عرفان باغبان کی ہمت تو دیکھیے　　　تتلی کو رہن رکھ دیا چہکار بیچ دی

سانسیں خرید لائے ہیں تلوار بیچ دی　　　ہاں سچ ہے ہم نے جرات انکار بیچ دی [۲۰]

عوام کو یہ دعوت دینا کہ ظلم و جبریت کے خلاف آواز اٹھاؤ، غلامی کی زنجیریں توڑ ڈالو، یہ ایک صاحبِ بصیرت و فہم شاعر ہی کر سکتا ہے۔ عرفان صادق جابر حکم رانوں کو للکارتے دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے چمن کو اُجاڑ دیا اور بیچ کر کھا گئے۔ جن کا کام ملک و عوام کی حفاظت کرنا تھا انھوں نے اپنی تلواروں کو بیچ ڈالا۔ عرفان صادق عوام کی بات کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کا لہجہ بھی عوام ہی کا ہے۔ انقلاب و مزاحمت کے علاوہ بھی جذبات کی ترجمانی نہایت سادہ و آسان انداز میں کرتے دکھائی دیتے ہیں:

اک اک سانس میں درد پرویا جا سکتا ہے　　　سوکھی آنکھوں سے بھی رویا جا سکتا ہے

خواب کہیں بھی گروی رکھے جا سکتے ہیں　　　کانچ کے بستر پر بھی سویا جا سکتا ہے

تم بھی ہجر زدہ ہو میرے ہی جیسے ہو　　　تم چاہو تو مل کر رویا جا سکتا ہے [۲۱]

کمال تشبیہات اور استعارات سے مزین اشعار دلوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ہر شعر منفرد موضوع اور آہنگ رکھتا ہے، لیکن ایک بات جو ہر شعر میں نمایاں ہے وہ عوام کے جذبات کی ترجمانی ہے۔ عرفان صادق ہجر کے موضوع کو اپنا ہی نہیں بلکہ ایک عوامی موضوع قرار دیتے ہوئے عوام کے ساتھ رہتے ہوئے گریہ ہجر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عوام النّاس میں عرفان صادق کا شمار ایک عوامی

جذبات کے ترجمان شاعر کے طور پر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک مزدور کی زندگی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اُسی کی اپنی بیٹی کی ہتھیلی خشک ہوتی ہے جو بوڑھا دھوپ میں دن بھر حنا تقسیم کرتا ہے ۲۲

نئی اک اور ہجرت فرض ہوتی جارہی ہے یہاں خوابوں پہ بھی شب خون مارے جارہے ہیں ۲۳

لڑائی لڑ رہا ہوں پانیوں سے میں اکیلا ہی مرا غم خوار، دریا کا کنارا بھی نہیں نکلا ۲۴

عموماً دیکھا گیا ہے کہ شاہوں کے محل اور جاگیرداروں کی جاگیروں کی تعمیر میں خونِ غریباں شامل ہوتا ہے، لیکن یہ غریب مزدور خود ٹوٹی ہوئی کُلیوں میں گزر بسر کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی کی عکاسی پہلے شعر میں عرفان صادق نے کی ہے کہ جو شخص دوسروں کی تزئین وآرائش اور تسکین کا سامان مہیا کرتا ہے وہ خود مفلسی اور تنگ دستی کی زندگی گزارتا ہے۔ ایسا امید، محبت اور تشکر سے معمور لہجہ عجز کی علامت ہے۔ شاعر عاجزی اور انکساری کے باعث ہی شعروں کی ثمر آوری کا لطف لیتا ہے۔ اشعار کی قرات اور مشاعروں میں انھیں سنتے ہوئے زندگی کی نجانے کتنی ہی رمزیں آشکار ہوتی ہیں۔ یہ شاعر کا تجربہ اور مشاہدہ ہے جو شعروں کو پختگی دیتا ہے:

زندگی تو تو گوارا ہے مگر اس کے بغیر مسئلہ یہ ہے تجھے کیسے گزرا جائے ۲۵

قریہ عشق میں پاگل نہیں ہونے والا میں ادھورا ہوں مکمل نہیں ہونے والا ۲۶

عہد حاضر کے اس مایہ ناز شاعر کے بہترین اشعار کا انتخاب کرنا کارِ دشوار ہے۔ ان کے اشعار ان کی ذات کا مستند حوالہ ہیں۔ اس کا نام شاعری کے افق پر ابد تک آباد رہے گا۔ وہ مجسم شاعر ہے خواب جس کے سرہانے دھرے رہتے ہیں۔ وہ شعری مجموعہ خواب زندہ رہتے ہیں ہمارے ہاتھوں میں تھما کر منتظر ہے کہ اس کے الفاظ دلوں میں تاثیر بن کر اتر جائیں۔ انھوں نے عشق کی آنچ کو دھیما نہیں ہونے دیا۔ خود کو دانستہ اس میں جلا کر خود اذیتی کا لطف لیتے اور شعر کہتے رہے۔ یہ خود اذیتی شاید شاعر کے خمیر میں شامل ہے۔ یوں جیسے شعر میں طبیعت رواں رہنے کے لیے یہ ضروری امر ہو۔ شاعر کو حقیقت سے فرار ہی اچھا لگتا ہے مگر عرفان صادق فرار کی جزوی کیفیت سے گزر کر واپس حال میں آتے ہوئے حقیقت کا سامنا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس قدر مشاہداتی اذیت عرفان پر گزری اسی قدر اُن کے اشعار نکھر کر سامنے آتے رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

مرے اندر دیے جلنے لگے ہیں وہ مجھ پر آشکارا ہو رہا ہے

میں اُتنا ہی نکھرتا جا رہا ہوں مجھے جتنا خسارا ہو رہا ۲۷

عرفان صادق کی مکمل شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مندرجہ بالا اشعار

میں کس قدر صدق گوئی سے کام لیتے ہیں۔ عرفان کی شاعری کو جو فنی کمال بتدریج حاصل ہوا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہر گزرتے وقت کے ساتھ اُن کا کلام مزید پختہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ عرفان صادق کا شمار عہدِ حاضر کے صف اول کے شعراء میں ہوتا ہے ان کی غزل میں ٹھہراؤ ہے اور تسلسل بھی ہے۔ ان کے موضوعات جدت وندرت کا امتزاج ہیں۔ ایک دور تھا جب غزل کو ہی شاعری سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ غزل میں بہت سے تجربات ہونے لگے تاکہ جمود پیدا نہ ہو جائے۔ غزل اصل میں تو جذبات کا اظہار ہے۔ محبوب کی مدح سرائی ہے۔ اپنی شدتوں کو سلیقے کے پیرہن پہنا کر شعروں میں ڈھالنا ہے۔ اب یہاں تہذیب و تمدن، سماجی بندشیں اور جس عہد میں شاعر جی رہا ہے اس سے ہم آہنگ بھی ہو تو سونے پہ سہاگہ ہے۔ حافظ فیصل شہزاد ان کے بارے میں بتاتے ہیں:۔

> مذکورہ کتاب عرفان صادق کا پانچواں اردو شعری مجموعہ ہے۔ پنجابی میں بھی شعر کہتے ہیں ایک کتاب لوں لوں اچ اڈیک اور دوسری چننگاں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ وہ حافظ آباد کے قریب قلعہ بلونت سنگھ میں تین نومبر انیس سو تہتر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ ایم اے اردو لاہور یعنی پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ کچھ عرصہ صحافت سے منسلک رہے بڑی اہم شخصیات کے انٹرویو کیے۔ اسی دوران انھوں نے کتابیں شائع کرنے والے ایک ادارے ''سارنگ پبلی کیشنز'' کے ساتھ بھی کام کیا اور یہیں سے کتابوں کی اشاعت کا ہنر سیکھا جو بعد ازاں سیوا پبلی کیشنز جیسے معروف ادارے کی تشکیل کی اساس بنا۔[۲۸]

حافظ فیصل شہزاد نے عرفان صادق کے شعری سفر کو زمینی حوالوں سے بیان کیا ہے۔ وہ کم عمری سے ہی شعر کہنے لگے تھے۔ مطالعہ کی عادت نے شعر کہنے کے پیمانے اور سلیقے دونوں کی خوب تربیت کی۔ ان کے استاد ارشد بیابانی ہیں جن سے وہ ایک دوست کی وساطت سے ملے اور تادیر ان سے شعر کے اسرار و رموز سمجھے۔ لاہور آنے کے بعد مشاعروں میں شرکت کی وجہ سے حلقۂ احباب بڑھتا چلا گیا۔ ایک ادبی تنظیم سیوا آرٹس سوسائٹی کے نام سے بنائی اور کتابیں چھاپنے لگے یوں سیوا آرٹس سوسائٹی کے پلیٹ فارم سے اب تک سیکڑوں کتابیں چھپ چکی ہیں اور تقریبات جن میں زیادہ تر مشاعرے شامل ہیں تسلسل سے معیاری سطح پر منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ کہتے ہیں:

اگر یہ شعر کی دیوی نہ مہرباں ہوتی
تو آتی جاتی ہر اک سانس رائیگاں ہوتی[۲۹]

اسی سے ہم شاعری کے ساتھ ان کی جڑت اور وابستگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کے بہت سے اشعار زبان زدِ عام ہیں۔ وہ ایک مضبوط ادبی ساکھ بنا چکے ہیں۔ اس کتاب کا پیش لفظ ایک نظم ''کہوں کیا'' کی صورت میں لکھتے ہیں۔ جس میں شاعر اور اس کے لفظوں کی حرمت کا ذکر ہے۔ پیڑ، پودوں اور پرندوں کے ہونے سے رونقوں کی بات ہے۔ وہ اس کائنات کے ہزار ہا دکھ اس ایک نظم میں رقم کر چکے ہیں، کہ یہ وہ دنیا نہیں رہی جس کی رب تعالیٰ نے انسان کو بشارت دی تھی۔ کہتے ہیں:

بہت خوب صورت سا منظر تھا ان لوریوں میں
عجب جھیل سی نیلگوں نیند تھی
ریشمی خواب اپنے سرہانے دھرے تھے
ہوا خوشبوؤں کو اڑائے لیے جا رہی تھی
انھی دل رُبا منظروں کو تخیل میں باندھے
سماعت میں ان چہچہوں کو سمیٹے
جو عمرِ رواں کی ندی میں بہا تو کھلا راز مجھ پر
کہ میں جس جہاں کو تخیل میں باندھے چلا جا رہا تھا
یہ وہ تو نہیں ہے[۳۰]

غزل اپنے الفاظ، جذبات اور رجحانات کو فنی سانچوں میں ڈھالنے کا نام ہے۔ شاعر ہئیت اور تخیل کی بنیاد پر اپنا اسلوب طے کرتا ہے۔ شعر کہتا رہتا ہے موضوعات میں تنوع آتا جاتا ہے، لیکن پیمانوں میں مہارت سے الفاظ جڑنا ہی شاعری نہیں ہے۔ بلکہ جذبات کو اپنے گرد و پیش کو ذاتی اور کائناتی وارداتوں کو کلاسیکیت اور جدت کو بیان کرنے کا سلیقہ بھی ازبر ہو۔ تبھی شاعر کے تخیل کا کینوس وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ کچھ مختلف کیفیات کے اشعار پیشِ ذیل ہیں:

تیری خوشبو تو اُٹھے گی مری تحریروں سے — باندھ سکتا ہے کوئی سوچ کو زنجیروں سے؟ [۳۱]
اس لیے کچے گھڑے پر مجھے پیار آتا ہے — اس نے دنیا کو محبت کی کہانی دی ہے [۳۲]
شاخوں پہ در بدر ہوئی پھرتی ہیں تتلیاں — پھولوں سے کون لے گیا خوشبو نچوڑ کر [۳۳]
جب تلک درد کے پاتال میں اترے نہیں تھے — لفظ خوشبو نہ ہوئے، سوچ چنبیلی نہ ہوئی [۳۴]
یہ معلوم تھا رستہ گھپ اندھیرا ہے — سوچوں کے پلو میں جگنو باندھ لیے [۳۵]

اپنی رہتل اور رشتوں سے مکمل خلوص کے ساتھ جڑے رہنا ہی ایسے اشعار کا سبب بنتا ہے۔

عرفان صادق کی شاعری میں محبت، فطری ماحول، سماجی منظر اور پس منظر اپنی پوری شفاف اور حساس صورت میں نظر آتے ہیں۔ وہ چراغ جلا کر منڈیر پہ رکھ دینے کے قائل ہیں۔ انھیں یقین ہے روشنی دریچوں سے دروں تک پھیلتی چلی جائے گی۔ کائنات میں کچھ بھی ایسا نہیں ہے جو روشنی کا راستہ روک سکے۔ اس کی روپہلی کرنوں کو ماند کر دے۔ ان کے کلام میں زندگی توازن سے گزارنے کی خواہش نظر آتی ہے۔ وہ جذبات واحساسات کو تہذیب کے دائرے میں رکھ کر روایات کی پاسداری کرنا چاہتے ہیں۔ انا اور خودداری پر سمجھوتا نہیں کرنا چاہتے۔ شاعر ہونے کے باوجود طبیعت میں وقار انکساری کی نسبت زیادہ ہے۔ جھکتے جھکتے سنبھل جاتے ہیں، جو ان کی فطرت کے عملی اور حقیقت پسند ہونے کا پتہ دیتے ہیں۔ شاید انھیں اپنی ذات پر، اپنی صلاحیت پر یا پھر محبت پر کچھ زیادہ ہی یقین ہے:۔

بہنے لگی ہے تن میں شفق رنگ روشنی
آیا ہوں جیسے مل کے کسی آفتاب سے[۳۶]

عرفان صادق تخلیق کے تمام تر تقاضوں سے شناسا ہیں۔ وہ شاعری کے اسرار و رموز کو خوب جانتے ہیں۔ اسی لیے شاعری میں طرح طرح کے تجربات کرتے رہتے ہیں۔ کبھی بحروں میں۔ کبھی نئی اور تروتازہ زمینوں کے۔ کبھی زبان و بیان کے۔ مختصر یہ کہ وہ شاعری میں تازہ کاری کے قائل نظر آتے ہیں۔ انوکھی تراکیب اور استعارے لاتے ہیں:۔

الاؤ لگ رہا تھا، جو شرارہ بھی نہیں نکلا — جسے خورشید سمجھے تھے، ستارہ بھی نہیں نکلا ۳۷
بجلی کی چمک ہیں تری آنکھوں کے اشارے — شعلے کی لپک ہے تری پوشاک کے اندر ۳۸

وہ اضطراب پر ضبط کے بند باندھنے کے گُر جانتے ہیں۔ حقیقت کو خواب بنا کر سرہانے رکھ لیتے ہیں۔ آئینے میں انھیں اپنا چہرہ روشن نظر آتا ہے تو وہ اعتماد سے اپنے چیلنجز سیٹ کر لیتے ہیں۔ چراغ کو ہوا میں رکھنے سے بھی نہیں ڈرتے۔ تتلی کے بدن سے خوشبو کشید کر کے شعر میں روح پھونکنے کے ہنر سے بھی واقف ہیں۔ اضطرابی کیفیات کو جمالیات کے رنگوں میں رنگ کر خوش رنگ غزل کہتے ہیں۔ ان کے یہاں تصوف کے رنگ بھی پوری آب و تاب کے ساتھ ہیں۔ وہ اپنے گاؤں کی سرسبز و شاداب ہواؤں میں سانس لیتے ہوئے پر لطف پنجابی اشعار اور بولیاں کہتے ہیں۔ جن میں روایت کے روپہلے رنگ جھلکتے ہیں۔ ماحول

سے محبت اور جڑت صاف نظر آتی ہے:

تو امرت کا سندیسہ تیری تو ہے ذات خمار
اس کو کیا تجسیم کروں سانسیں، پوریں، ہات، خمار ۳۹

اداسی، ہجر و فراق اور جدائی کی نوحہ گری ان کی شاعری میں اشک بار ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ، سیاست، معاشی بدحالی، اقدار کا عروج و زوال اور جنگوں کے نتیجے میں ہونے والی شکست و ریخت جیسے پختہ موضوعات بھی ان کے شعروں میں ملتے ہیں۔ شاعر جمالیات کا ترجمان ہے۔ وہ زندگی کی تلخیوں میں بھی گداز ڈھونڈ لیتا ہے۔ عرفان صادق کی شاعری زخموں کی بخیہ گیری کرتی ہے۔ ان کی کچھ غزلیں غنائیت سے بھرپور ہیں۔ سادہ الفاظ میں کیفیات خود بخود گنگنانے لگتی ہیں۔ اشعار آنکھوں کے سامنے مناظر بناتے چلے جاتے ہیں۔ شجر جو بے زبان نظر آتے ہیں وہ ان کے جذبات واحساسات کو بھی شعروں میں ڈھالتے ہیں تو کبھی نظم کرتے ہیں۔ انسانی جذبات و کیفیات اور سماج میں بکھری کیفیات کو شعر میں بیان کرنا عرفان صادق کا کمال ہے۔ شعر ملاحظہ ہوں:

سانسیں خرید لائے ہیں تلوار بیچ دی ہاں سچ ہے ہم نے جرات انکار بیچ دی ۴۰
میں ایسے شہر میں زندہ ہوں جس میں ہر لمحہ ستم تو ہوتے ہیں لیکن سزا نہیں ملتی ۴۱
کتنے روشن ہیں در و بام، پتا جانتی ہے کس گھڑی دیپ بجھانے ہیں، ہوا جانتی ہے ۴۲
تیری خوشبو تو اُٹھے گی مری تحریروں سے باندھ سکتا ہے کوئی سوچ کو زنجیروں سے ۴۳

مندرجہ بالا تمام اشعار سماج اور اس کے باسیوں کی آواز معلوم ہوتے ہیں۔ عرفان صادق کی اسی فکر کے متعلق خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> عرفان صادق کلاسیکی غزل سے شغف رکھنے کے باوجود کلاسیکی غزل کی صدائے بازگشت نہیں ہے بلکہ مصرعوں کی ساخت، الفاظ و تراکیب کے انتخاب، بحروں اور زمینوں میں نئے تجربات کی وجہ سے نئی غزل کا ایک اہم نمائندہ دکھائی دیتا ہے۔ ۴۴

خواجہ محمد زکریا نے عرفان صادق کے شعری مزاج کو کلاسیکی بتایا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اُن کے شاعری میں کیے جانے والے تجربات کی بابت انھیں نئی غزل کا نمائندہ کہا ہے۔ یہ اسی وجہ سے ہے کہ عرفان صادق اپنی زمین سے جُڑا شاعر ہے۔ وہ اپنے عہد اور اس کے سماج کے تمام رویوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ عرفان صادق کا بچپن گاؤں میں گزرا اور انھیں وہ ماحول قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ یہی وجہ ہے کہ

اُن کے اشعار میں فطری مناظر کی عکاسی بہت زیادہ کی گئی ہے۔ اعزاز احمد آذر اپنے مضمون ”امکانات کا شاعر“ میں لکھتے ہیں:

> زندگی کی اپنی رومانویت ہوتی ہے۔ یہ ایک کائناتی سچائی ہے، اور اسے ہمارے ملک سے باہر کی دنیا میں بھی اسی جمالیاتی رنگ اور امنگ کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عرفان صادق نے زندگی کی رومانویت کو اپنی شاعری کا آہنگ بنایا ہے۔[۴۵]

عرفان صادق کے رومانوی پہلو کو اعزاز احمد نے بہت خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ رومانویت کے کائناتی سچ کو عرفان صادق نے اپنے اشعار میں بہت خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ عرفان کا جو تعلق اس کائنات کے فطری مظاہر سے ہے وہ بہت خوب صورتی سے شعر کی زینت بنائے گئے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

یوں ہی بیٹھے بٹھائے اس طرح کچھ یاد آتے ہو ۔۔۔ اندھیری رات میں جیسے کوئی جگنو نکلتا ہے [۴۶]
نکل کر گاؤں سے تازہ ہوائیں بھول جاتے ہو ۔۔۔ بڑے خود غرض ہو ماں کی دعائیں بھول جاتے ہو [۴۷]
روز جاتے ہیں سرِ شام خبر گیری کو ۔۔۔ اک تعلق ہے جو پیڑوں سے نبھائے ہوئے ہیں [۴۸]
مری اُمید کی ٹہنی تو بارور نہ ہوئی ۔۔۔ یہ پھول کس طرح شاخوں پہ آنے لگتے ہیں [۴۹]

ان اشعار میں جو احساسات ہیں وہ عرفان صادق کے گاؤں سے ان کے خالص ماحول سے انھیں ملے ہیں۔ بچپن سے ہی ان کے خون میں رچ بس گئے ہیں۔ شاید وہ کان لگا کر پیڑوں کے دکھ سکھ سنتے تھے۔ اور جس عمر میں نوجوان صرف اپنی ذات سے منسلک خواب دیکھتے تھے تب بھی وہ اشجار، مٹی، ہواؤں، چراغ اور گندم کی بالیوں کی خوشبو اپنے اندر اتارتے تھے۔ اداسی بھی شاید اسی ماحول سے مستعار لی ہے جو ان کے اشعار میں مسلسل جاگزیں ہے۔ وہ ظلم و جور اور اسیری کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ ان کے یہاں بہت سے مزاحمتی اشعار ہیں، جو ظالم کے خلاف احتجاج ہیں۔

وہ عہد حاضر کے ایسے خوش قسمت شاعر ہیں جن پر تحقیق کام بھی بہت زیادہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ ملک بھر کی یونیورسٹیوں سے بی ایس اردو اور ایم فل اردو کے مقالہ جات ان کی شاعری کی مختلف جہتوں پر ہو چکے ہیں۔ جن میں فطری عناصر، رومانوی عناصر اور صوفیانہ رنگ نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ اَن گنت اسناد اور ایوارڈز حاصل کر چکے ہیں۔ جناب ظفر اقبال، عرفان صادق کے بارے میں لکھتے ہیں:

> عرفان صادق نے جب سے قلم پکڑنا سیکھا ہے شعر گوئی کی ہے سچ پوچھیں تو سب سے مشکل مرحلہ یہی ہوتا ہے۔ عرفان نے ایسی جگہ سے بچپن سے ہی شعر کہنا شروع کیا

> جہاں اب تک اردو زبان میں شاعری نہیں تھی لیکن اب پہنچ چکی ہے اس کی وجہ سے یہ ممکن ہوا۔ یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔[۵۰]

عباس تابش نے عرفان صادق کی شاعری کے متعلق کچھ یوں رائے دی:۔

> عرفان صادق نوے کی دہائی میں اپنی جگہ بنا چکا ہے۔ اس نے اپنے بعض پیشروؤں اور ہم عصروں کی طرح عجلت سے کام نہیں لیا۔ ان کی زندگی میں ایک ایسا ٹھہراؤ ہے جو غزل کی ریاضت اور اس کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔[۵۱]

درج بالا تمام تر بحث اور معتبر شخصیات کی رائے سے اس بات کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ عرفان صادق ایک وسیع النظر اور صاحبِ شعور شاعر ہے۔ عرفان کا مشاہدہ بہت وسیع ہے اور انھیں فنِ شاعری میں کمال حاصل ہے۔ جذبات کی نمائندگی کے ساتھ ساتھ عرفان صادق کی شاعری فطری مظاہر کو بھی عمدگی سے بیان کرتی دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنی زمین سے جُڑا ہوا شاعر ہے جس کی شاعری بھی اُس کی زندگی کی طرح ایک ارتقائی سفر طے کرتی دکھائی دیتی ہے۔ عرفان صادق کی شاعری میں وہ تمام تر تجربات موجود ہیں جو انھیں بچپن سے اس عمر تک پہنچنے میں حاصل ہوئے۔ وہ تجربہ گاؤں کی سادہ زندگی کا ہو، فطرت کے مشاہدے کا یا پُر رونق شہر لاہور کی گہما گہمی کا، تمام عرفان صادق کی شاعری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو زندگی کے اس تجربے سے گزرنے کا موقع ملتا ہے لیکن ہر انسان عرفان صادق کی طرح وسیع النظر نہیں ہوتا کہ وہ اس مشاہدے اور تجربے کو اپنی تخلیقات میں ڈھال سکے۔ آخر میں عرفان صادق کی شاعری سے چند شعری نمونے پیش کرکے بحث کو سمیٹتے ہیں:

کھلے ہوئے ہیں ہواؤں میں نوحے چڑیوں کے — خزاں کی زد پہ ہیں آئے ہوئے شجر میرے [۵۲]
کھِلتا بہت ہے ہونٹ کی ٹہنی پہ دن ڈھلے — ویسے تو وہ بھی نام ہے اک نام کی طرح [۵۳]
اس کو تشبیہ میں دوں کیسے بھلا پھولوں سے — وہ تو اب رات کی رانی سے کہیں آگے ہے [۵۴]
کوچہ عشق کی توقیر بڑھائے ہوئے ہیں — یہ جو پلکوں پہ چراغوں کو سجائے ہوئے ہیں
دیکھ سکتے ہیں اندھیروں میں بہت دور تلک — روشنی ہم تری آنکھوں سے چرائے ہوئے ہیں [۵۵]
وہ جو چپ چاپ گزرتا ہے مرے پہلو سے — کتنے رنگوں میں پسِ بابِ معانی بولے
اس کی قُربت کی پھواروں میں نہا کر عرفانؔ — مرے کمرے کی ہر اک چیز پرانی بولے [۵۶]
قطرہ قطرہ ڈوب جاؤں گا یوں ہی بیٹھے ہوئے — جتنی گہری اس کی آنکھیں اتنی گہری شام ہے
پھر تری یادوں کے جگنو ہر طرف اُڑنے لگے — پھر مرے سر پر کھڑی اک ملگجی سی شام ہے [۵۷]

یوں اپنے لہجے اور عمیق نظری سے عرفان صادق ایک متنوع شاعر کی صورت دکھائی دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، ولی سے اقبال تک (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ۲۲۔
۲۔ ڈاکٹر شمیم احمد، اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں (بھوپال: انڈیا بک امپوریم، ۱۹۸۱ء)، ۲۴۔
۳۔ عرفان صادق، رتجگوں کی بارش (لاہور: سارنگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ۴۵۔
۴۔ عرفان صادق، چاند میں لپٹے وعدے (لاہور: سیوا پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ۲۳۔
۵۔ عرفان صادق، میں آنکھیں بھول آیا ہوں (لاہور: سیوا پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ۱۷۳۔
۶۔ عرفان صادق، یہی لمحہ محبت ہے (لاہور: سیوا پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ۷۳۔
۷۔ عرفان صادق، چاند میں لپٹے وعدے، ۷۹۔
۸۔ عرفان صادق، میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۶۱۔
۹۔ عرفان صادق، ابد آباد (لاہور: سیوا پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ۷۳۔
۱۰۔ ایضاً، ۶۱۔ ۱۱۔ ایضاً، ۷۵۔
۱۲۔ ایضاً، ۹۴۔
۱۳۔ عرفان صادق، میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۸۷۔
۱۴۔ عرفان صادق، ابد آباد، ۱۲۲۔
۱۵۔ عرفان صادق، یہی لمحہ محبت ہے، ۴۳۔
۱۶۔ عرفان صادق، چاند میں لپٹے وعدے، ۱۴۱۔
۱۷۔ عرفان صادق، یہی لمحہ محبت ہے، ۱۴۱۔
۱۸۔ عرفان صادق، چاند میں لپٹے وعدے، ۱۵۷۔
۱۹۔ ایضاً، ۱۲۲۔
۲۰۔ عرفان صادق، میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۱۵۳۔
۲۱۔ عرفان صادق، ابد آباد، ۱۳۷۔
۲۲۔ ایضاً، ۲۵۔ ۲۳۔ ایضاً، ۱۵۶۔
۲۴۔ عرفان صادق، میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۹۹۔
۲۵۔ عرفان صادق، ابد آباد، ۳۶۔
۲۶۔ ایضاً، ۳۸۔
۲۷۔ عرفان صادق، میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۱۵۴۔

۲۸۔ حافظ فیصل شہزاد،عرفان صادق کی غزل میں رومانوی عناصر (مقالہ برائے ایم فل) (اسلام آباد: شعبہ اردو، الحمد اسلامک یونی ورسٹی، ۲۰۲۱ء)، ۹۔
۲۹۔ عرفان صادق،چاند میں لپٹے وعدے، ۶۳۔
۳۰۔ عرفان صادق،رتجگوں کی بارش،۱۳۸۔
۳۱۔ عرفان صادق،میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۱۶۳۔
۳۲۔ ایضاً،۷۷۔
۳۳۔ عرفان صادق،ابد آباد، ۳۵۔
۳۴۔ ایضاً، ۲۶۔ ۳۵۔ایضاً، ۶۴۔
۳۶۔ عرفان صادق،میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۹۴۔
۳۷۔ ایضاً، ۹۹۔ ۳۸۔ایضاً، ۱۴۲۔
۳۹۔ عرفان صادق،یہی لمحہ محبت ہے، ۴۹۔
۴۰۔ عرفان صادق،میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۱۵۳۔
۴۱۔ عرفان صادق،یہی لمحہ محبت ہے، ۴۹۔
۴۲۔ عرفان صادق،میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۷۵۔
۴۳۔ ایضاً، ۱۶۳۔
۴۴۔ خواجہ محمد زکریا، بحوالہ: عرفان صادق،یہی لمحہ محبت ہے، فلیپ۔
۴۵۔ اعزاز احمد آزر "امکانات کا شاعر"، مشمولہ: ابد آباد، ۷۔
۴۶۔ عرفان صادق،میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۱۲۰۔
۴۷۔ عرفان صادق،خواب زندہ رہتے ہیں (لاہور: سیوا پبلی کیشنز، ۲۰۲۳ء)، ۷۷۔
۴۸۔ عرفان صادق،میں آنکھیں بھول آیا ہوں،۷۱۔
۴۹۔ عرفان صادق،ابد آباد، ۴۶۔
۵۰۔ ظفر اقبال، بحوالہ: عرفان صادق،ابد آباد، فلیپ۔
۵۱۔ عباس تابش، بحوالہ: عرفان صادق،ابد آباد، فلیپ۔
۵۲۔ عرفان صادق،ابد آباد، ۱۱۱۔
۵۳۔ ایضاً، ۱۲۴۔
۵۴۔ عرفان صادق،میں آنکھیں بھول آیا ہوں، ۳۶۔
۵۵۔ ایضاً، ۷۱۔
۵۶۔ عرفان صادق،یہی لمحہ محبت ہے، ۷۸۔
۵۷۔ ایضاً، ۱۴۱۔